یکساں سوِل کوڈ کی مخالفت میں
جمعیۃ علماء ھند
کی
عملی جدوجھد

حسب الحکم

جانشینِ شیخ الاسلام حضرت مولانا **سید ارشد مدنی** صدر جمعیۃ علماء ہند

ترتیب

(مولانا) **اسجد مدنی** دیوبند

شائع کردہ

شعبۂ نشر واشاعت جمعیۃ علماء ہند

۱- بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی-۲

یکساں سول کوڈ کی مخالفت میں
جمعیۃ علماء ہند کی عملی جدوجہد

مسلمانوں کے عائلی احکام (مسلم پرسنل لاء) مثلاً شادی، طلاق، خلع اور وراثت وغیرہ بھی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسے مذہبی احکام کا حصہ ہیں، کسی سوسائٹی، شخصی، تہذیبی اور رسم ورواج کی طرح نہیں ہیں۔ مسلمانوں کا ازل سے عقیدہ ہے کہ عبادات کی طرح اسلامی نظام معاشرت بھی اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ کتاب وسنت کی ہدایت پر مبنی ہیں۔ مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اسلام میں قانون سازی کا حق صرف اللہ اور رسول کو حاصل ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ کے قوانین واحکام کی ہی عمل داری ہے جن میں تبدیلی اور ترمیم کی معمولی بھی گنجائش نہیں ہے۔

جمعیۃ علماء ہند نے اپنے اغراض ومقاصد میں مسلمانوں کے مذکورہ بنیادی امور کا جلی حرفوں میں تذکرہ کیا ہے:

(الف) اسلام، شعائر اسلام اور مسلمانوں کے مآثر ومعابد کی حفاظت۔

(ب) مسلمانوں کے مذہبی، تعلیمی، تمدنی اور شہری حقوق کی تحصیل وحفاظت۔

(ج) مسلمانوں کی مذہبی، تعلیمی اور معاشرتی اصلاح۔

چنانچہ آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد جب جب شر پسندوں کی جانب سے شریعت میں مداخلت کی کوشش ہوئی۔ جمعیۃ علماء ہند نے پوری قوت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ ہندوستان کی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی حکومت ہند کو شریعت کے تعلق سے قانون سازی کی ضرورت محسوس ہوئی تو جمعیۃ علماء ہند کی رہنمائی کے بغیر وہ قانون پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا۔ جیسا کہ شریعت ایکٹ اور انفساخ نکاح۔ قوانین ہند میں دو ایکٹ ایسے ہیں جن میں جمعیۃ علماء ہند کا نام حرف زریں سے لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ قوانین ہند کے رکارڈ

میں شریعت بل کے نفاذ سے متعلق جمعیۃ علماء ہند کا ان الفاظ میں ذکر ہے:

''شریعت بل ۱۹۳۷ء سے پہلے روایتی قوانین رائج تھے، ان کی جگہ شریعت بل کے نفاذ کے سلسلہ میں جمعیۃ علماء ہند نے پرزور مطالبہ کیا جو کہ مسلمانوں کی Greatest واحد نمائندہ تنظیم ہے اور جمعیۃ علماء ہند کے ہی مطالبہ پر شریعت بل ۱۹۳۷ء پاس کیا گیا۔''

Statement of Objects and Reasons .....(P-1) (اعلانیہ اغراض ومقاصد)

اسی طرح ۱۹۳۹ء میں انفساخ نکاح بل کے سلسلہ میں قوانین ہند میں یہ جملہ موجود ہے:

''جمعیۃ علماء ہند کی اوپینین Opinion یعنی رائے پر یہ قانون پاس کیا جارہا ہے۔''

Debate of Legislature .....(P-9) (مذاکرات مجلس مقنّنہ)

اس کے علاوہ Journal of International Women's Studies کے شمارہ ۲، جلد ۱۶، جنوری ۲۰۱۵ء میں صبیحہ حسین نے اپنے مضمون میں شریعت اپلی کیشن ایکٹ اور فسخ نکاح ایکٹ کے تدوین کا تاریخی اور سماجی پس منظر بیان کرتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

Debates on Dissolution of Muslim Marriage Act 1939

In **1931 Maulana Ashraf ali Thanvi in his lengthy revision of his fatwa:**

Al-hilat un- Najiza li'l-Halitat al-'Ajiza (translation: A Successful Legal Device for the Helpless Wife' Women Legal Reform and Muslim Identity in South Asia' In Jura Gentium 1, No. 1 2005, accessed September 2013 ruled that apostasy did not annul a Muslim marriage, but a wife might obtain a judicial divorce based on grounds permitted by the Maliki school of Muslim jurisprudence. Maulana's opinion was seconded by **the JamatUlma-i-Hind**. A Bill was introduced in the central legislature of 1936 by Muhammad Ahmad Kazmi, a member of the central

legislative assembly, debated and enacted in 1939. The statement of objects of the bill was announced by Hussain Imam, M.L.A. from Bihar and Orissa as. (p 9)

جمعیۃ علماء ہند کے بارے میں قوانین ہند کے رکارڈ کے یہ وقیع الفاظ اس بات کے شاہد عدل اور کھلی گواہی ہیں کہ آئین ہند کی تکمیل میں جمعیۃ علماء ہند کا بنیادی کردار رہا ہے، بالخصوص اسلامی تشخص کے تحفظ میں آئین کی ترتیب کے موقع پر بھی جمعیۃ علماء ہند نے اپنا بھرپور حق ادا کیا ہے۔ جو تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

جمعیۃ علماء ہند نے اپنی تاسیس کے ایک سال بعد فوراً اپنے دوسرے اجلاس عام ۱۹ تا ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء کو دلی میں جس کی صدارت اسیر مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند نے فرمائی تھی اپنی پہلی تجویز کے ذریعہ مسلمانان ہند کو توجہ دلائی کہ ''جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس مسلمانوں کو توجہ دلاتا ہے کہ وہ احکامِ شرعیہ کا پورے طور سے احترام اور عمل کرنے کی دل سے سعی کیا کریں۔ وضع، لباس، اخلاق، برتاؤ، بالخصوص فرائض میں اس کا التزام نہایت ضروری سمجھیں'' اس لئے کہ آزادی کے لئے اس کی تمام تر جدوجہد کا مقصد نظام اسلامی کا تحفظ تھا جو انگریزی سامراج کی سازشوں کی وجہ سے خطرہ سے دوچار تھا۔

اگست ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ شائع ہوئی جس میں مسلمانوں کے شرعی حقوق کو نظرانداز کردیا گیا تھا، جمعیۃ علماء ہند نے اس کی ڈٹ کر مخالفت کی اور مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کے مذہبی معاملات نکاح، طلاق، وراثت، ولایت، حضانت، بلوغ، تفریق زوجین، خلع، فسخ نکاح وغیرہ میں عدم مداخلت اور سفر حج وزیارت اور اوقاف کے سلسلہ میں سہولتوں کے حصول کی ضمانت دی جائے۔

ستمبر ۱۹۲۹ء میں انگریزی اقتدار نے مرکزی اسمبلی میں سارداایکٹ پاس کرا کے اسلام کے قانون ازدواج میں ایک بار پھر مداخلت کی نازیبا حرکت کی تو جمعیۃ علماء ہند اور اس کے اکابر واسلاف ہی تھے جو سینہ سپر ہوکر میدان میں آئے اور اس جابرانہ وظالمانہ

اقدام کے خلاف زبردست احتجاج کیا لیکن جب حکومت اپنے ارادۂ بد سے باز نہ آئی تو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے اعلان کر دیا کہ آخری صورت یہی ہے کہ ملک وملت کو ایسی حکومت سے مکمل طور پر آزاد کرالیا جائے۔

۱۹۳۱ء کی لندن کی گول میز کانفرنس میں ہندوستانیوں کے حقوق طے کئے جانے لگے اور آئندہ کے لئے دستور کی بنیاد پر غور ہونے لگا تو جمعیۃ علماء ہند نے ایک مضبوط فارمولے کے ذریعہ کانفرنس کو توجہ دلائی ''آئندہ خودمختار حکومت کے دستور کی بنیاد آزادی اور ایسے اصولوں پر ہونی چاہئے جس سے تمام ملتوں کے جائز حقوق اور مفادات محفوظ ہوجائیں اور اقلیتوں کو اکثریت کی جانب سے کسی قسم کا کوئی خوف وخطرہ نہ رہے۔'' جمعیۃ علماء ہند نے مطالبہ کیا کہ:

(۱) ''ہندوستان کی مختلف ملتوں کے کلچرل، زبان، رسم الخط، پیشہ، مذہبی تعلیم، مذہبی تبلیغ، مذہبی ادارے، عقائد، مذہبی اعمال، عبادت گاہیں اور اوقاف آزاد ہوں گے۔

(۲) دستور ہند میں اسلامی پرسنل لاء کی حفاظت کے لئے خاص دفعہ رکھی جائے گی جس میں تشریح ہوگی کہ مجلس مقنّنہ اور حکومت کی جانب سے مداخلت نہ کی جائے اور پرسنل لاء کی مثال کے طور پر یہ چیزیں فٹ نوٹ میں درج کی جائیں گی، مثلاً احکام نکاح، طلاق، رجعت، عدت، خیار بلوغ، تفریق زوجین، خلع، عنین، مفقود الخبر، نفقہ زوجیت، حضانت، ولایت نکاح ومال، وصیت، وقف، وراثت، تکفین وتدفین اور قربانی وغیرہ۔

(۳) مسلمانون کے ایسے مقدمات فیصل کرنے کے لئے جن میں مسلمان حاکم کا فیصلہ ضروری ہے مسلم قاضیوں کا تقرر کیا جائیگا۔ اور ان کو اختیارات تفویض کئے جائیں گے۔'' جمعیۃ علماء ہند نے اس فارمولے کو بنیادی دفعات کے طور پر دستور میں شامل کئے جانے کا مطالبہ کیا۔

۱۹۳۵ء میں انگریزی حکومت زرعی جائدادوں اور خیراتی ومذہبی اوقاف کے متعلق

ایک ایکٹ لائی جس کے ذریعہ ان امور کے بارے میں فیصلوں کا اختیار ریاستی اسمبلیوں کو دیدیا گیا تھا۔ جمعیۃ علماء ہند کی نظر میں ایک ایسا قدم تھا جو اسمبلیوں کے ذریعہ اسلامی اوقاف میں دست درازی کے مترادف تھا، اس لئے اس نے اس کی شدید مخالفت کی۔ رائے عامہ کو بیدار کیا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ اسلامی اوقاف کو اس ایکٹ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

یکم و۲ر فروری ۱۹۳۶ء کو جمعیۃ علماء ہند نے اپنا اجلاس عام مرادآباد میں زیر صدارت مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ صدر جمعیۃ علماء ہند منعقد کیا جس میں جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے ارکان کے علاوہ ملک کے اکابر علماء دین، رہنمایان ملت اور اصحاب رائے نے بڑی تعداد میں شرکت کی اور وہ مسودہ قانون ''فسخ نکاح'' مرتب کیا جسے ''مسلم قانون فسخ نکاح'' کا نام دیا گیا اور اسے منظور کرانے کے لئے غیر معمولی جدوجہد کی گئی جس کے نتیجہ میں۔ ۱۹۳۸ء میں ایکٹ نمبر ۸ کے نام سے مجلسِ قانون نے ایک بل منظور کیا جس میں جمعیۃ علماء ہند کے اس مسودہ کو اہمیت دی گئی تھی جس کا متن حسب ذیل ہے:

> ''بدیں غرض کہ مسلمان عورتوں کے لئے فسخ نکاح کے ان حقوق کو حاصل کرنے کا راستہ نکالا جائے جو شریعت اسلامی نے ان کو عطا کئے ہیں۔ مگر موجودہ ملکی قانون ان کے لئے ناکافی ہے۔ ہرگاہ کہ ہندوستان میں مسلمان عورتیں اپنے نکاحوں کو فسخ کرانے کے ان حقوق سے محروم ہیں جو بروئے شریعت اسلامی ان کو حاصل ہیں مگر ملک کا موجودہ مروجہ قانون ان کے حصول کے لئے ناکافی ہے۔ اس لئے حسب ذیل قانون نافذ کیا جاتا ہے:
>
> (۱) اس قانون کا نام ''مسلم قانون فسخ نکاح'' ہوگا۔
>
> (۲) یہ قانون تمام برٹش انڈیا میں اطلاق پذیر ہوگا اور فوراً نافذ کیا جائے گا۔
>
> (۳) اس قانون کے منشا یا کسی دفعہ کے خلاف برطانوی ہند کا کوئی قانون

یا ریگولیشن یا آرڈیننس موجود ہو تو وہ قانون اور یگولیشن اور آرڈیننس اس قانون پر یا اس کی کسی دفعہ پر اثر انداز نہ ہوگا۔

(۴) اس قانون میں جب تک مضمون یا سیاق وسباق میں کوئی امر متناقض نہ پایا جائے۔

(الف) مالکی قانون سے شریعت اسلام مطابق مذہب امام مالکؒ مراد ہوگی۔

(ب) حنفی قانون سے شریعت اسلام مطابق مذہب امام ابوحنیفہؒ مراد ہوگی۔

(۵) مسلمان عورت مندرجہ ذیل وجوہ میں سے کسی ایک وجہ یا زیادہ کی بنا پر اپنے شوہر کے خلاف فسخ نکاح کا دعویٰ کر سکتی ہے۔

(الف) (۱) یہ کہ اس کا شوہر مفقود الخبر ہو۔

(۲) یہ کہ اس کا شوہر جنون یا جذام یا برص میں مبتلا ہو جب کہ یہ امراض سخت قسم کے ہوں۔

(۳) یہ کہ اس کا شوہر اس کو نفقہ نہ دیتا ہو یا دینے پر قادر نہ ہو۔

(۴) یہ کہ اس کا شوہر اس پر متواتر نا قابل برداشت مظالم کرتا ہو۔

(۵) یہ کہ شوہر کی مفقود الخبر ی یا طویل قید یا تعنت کی وجہ سے اس کی عصمت خطرے میں ہو۔

(ب) (۱) یہ کہ عورت کو خیار بلوغ حاصل تھا اور اس حق سے اس نے نکاح کو مسترد کر دیا ہو۔

(۲) یہ کہ اس کا نکاح فاسد منعقد ہوا تھا یا بعد میں کسی وجہ سے فاسد ہو گیا ہو۔

(۳) یہ کہ اس کا شوہر عنین یا مجبوب ہو۔

(۴) کسی اور وجہ کی بناء پر جو بروئے فقہ حنفی فسخ نکاح کے لئے کافی ہو۔

(۶) جو مقدمات زیر دفعہ ۵ (الف) دائر کئے جائیں گے ان کی سماعت اور فیصلہ بروئے قانون مالکی کیا جائے گا۔

(۶) جو مقدمات زیر دفعہ ۵ (ب) دائر کئے جائیں گے ان کی سماعت اور فیصلہ بروئے آئین حنفی کیا جائے گا۔

(۷) (الف) مقدمات کی سماعت کے بارے میں ضابطہ دیوانی ایکٹ ۱۹۰۸/۵ء کے احکام کے ماتحت مسلمان عورت کا دعویٰ انفساخ نکاح عدالت مجاز میں دائر کیا جائے گا بشرطیکہ اس عدالت کا حاکم مسلمان ہو۔

(ب) اگر عدالت مذکورہ (الف) کا حاکم مسلمان نہ ہو تو ایسا دعویٰ عدالت ڈسٹرکٹ جج میں دائر کیا جائے گا جو خود اگر مسلمان ہوگا وہ اس کی سماعت کرے گا یا اپنے ضلع کے کسی مسلمان جوڈیشل افسر کے یہاں بغرض سماعت بھیج دے گا اور اس معاملہ میں حدود سماعت ارضی و مالی کا خیال نہ کرے گا۔

(ج) اگر ڈسٹرکٹ جج مسلمان نہ ہو اور حسب ضمن

(ب) ضلع میں کوئی مسلمان حاکم دستیاب نہ ہو تو ڈسٹرکٹ جج اس مقدمے کو سماعت کے لئے کسی قریب ترین ضلع کے مسلمان حاکم کے اجلاس میں بھیج دیگا۔

(د) اگر مقدمہ بھیجے جانے کے بعد مسلمان حاکم کی جگہ کسی وجہ سے غیر مسلم حاکم آجائے تو مقدمہ اس ضلع کے ڈسٹرکٹ جج کے یہاں واپس کیا جائے گا جہاں دایر ہوا تھا۔ اور وہ حسب ضمن

(ب) و (ج) متذکرہ صدر مقدمے کے فیصلے کیلئے سپرد کر دے گا

(۸) ابتدائی عدالت کے فیصلے کی اپیل ہائی کورٹ میں ہوگی اور کوئی مسلم جج عدالت مذکور اس کی سماعت اور فیصلہ کرے گا۔

جلسہ مشاورت کے اجلاس کے بعد مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس ۳؍فروری ۱۹۳۶ء کو منعقد ہوا، جس میں مذکورہ مسودہ کی توثیق کرتے ہوئے مندرجہ ذیل تجویز منظور کی گئی۔

''فسخ نکاح کے مسودات قانون مرتبہ سید غلام بھیک صاحب نیرنگ وسید محمد احمد صاحب کاظمی ومولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب وسید بدرالحسن صاحب بہاری پر علماء کی مشترک مجلس شوریٰ نے غور وبحث کر کے ایک ترمیم کردہ مسودہ تیار کرلیا ہے۔ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ مسلمان عورتوں کے ان ناقابل برداشت مصائب پر نظر کرتے ہوئے جن میں وہ مبتلا ہیں اور شرعی دارالقضا نہ ہونے کی وجہ سے ان کا کوئی صحیح حل مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اس مسودۂ قانون کو منظور کرتا ہے اور مسلم ارکان اسمبلی سے توقع رکھتا ہے کہ وہ علماء کی مشترک مجلس شوریٰ اور جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا منظور کردہ مسودہ اسمبلی میں پاس کرانے کی متحدہ قوت سے سعی کریں گے۔'' (سیاسی ڈائری شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ)

جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ منعقدہ ۳؍فروری ۱۹۳۶ء کی منظوری کے بعد اس مسودۂ قانون کو مرکزی اسمبلی میں جناب محمد احمد کاظمی صاحب نے پیش کیا اگرچہ حکومت کا ردعمل مثبت نہیں تھا لیکن جمعیۃ علماء ہند اس کے ذریعہ مسلمانوں میں ایک ایسی بیداری لانے میں ضرور کامیاب ہوگئی جو بعد میں شریعت اسلامی کے تحفظ کے لئے ایک لہر میں تبدیل ہوگئی اور پھر حکومت کو شریعت ایکٹ منظور کرنا پڑا۔

اس کے بعد حکومت نے سول میرج ایکٹ کا فتنہ کھڑا کیا جمعیۃ علماء ہند اس خالص اسلام دشمن ایکٹ کے خلاف میدان عمل میں آ گئی اگرچہ وہ سامراجی اقتدار کو پسپائی پر

مجبور نہ کرسکی لیکن اس نے مسلمانوں میں ایسا احساس شعور جگانے میں ضرور کامیابی حاصل کرلی جس نے خود مسلمانوں میں اس ایکٹ کی سرایت کا خاتمہ کردیا۔

ملک کی آزادی کے بعد بھی جمعیۃ علماء ہند نے اپنی شرعی ذمہ داری کو فراموش نہیں کیا چنانچہ جب آزاد ہندوستان کا دستور بنانے اور اسے جمہوری ملک قرار دینے کا فیصلہ کیا گیا اور حکومت کی بنیاد سیکولرزم پر رکھی گئی تو جمعیۃ علماء ہند نے ضروری سمجھا کہ وہ حکومت پر واضح کردے کہ وہ مذہب کے معاملات میں کسی مداخلت کو قطعی برداشت نہیں کرے گی۔ چنانچہ جب مجلس مقنّنہ نے دستور کو مرتب کرنا شروع کیا تو صاف طور پر اعلان کیا گیا کہ:

''ہندوستان کا نظام حکومت کسی خاص مذہب کا پابند نہ ہوگا اور ہر شہری کو اپنے طور پر مذہبی امور میں آزادی حاصل ہوگی اور ایک مذہب کا دوسرے مذہب کے ذریعہ استحصال نہ ہوگا''

مجلس مقنّنہ کے اس اعلان کے بعد مسلمانوں اور ان کی تنظیم جمعیۃ علماء ہند کو امید تھی کہ اب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جاری سامراجی اور فسطائی سازشوں کا خاتمہ ہوجائے گا اور شریعت اسلامی پر حملوں کا سلسلہ بند ہوکر مسلمانوں کو موقع ملے گا کے وہ دفاعی مورچہ سے ہٹ کر اپنی خداداد صلاحیتوں کے ذریعہ ملک کی تعمیر وترقی میں اپنا کردار ادا کرسکیں گے۔

لیکن جمعیۃ علماء ہند کی یہ امید حسرت وافسوس میں اس وقت بدل گئی جب سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر مسلم پرسنل لاء ختم کرکے یکساں سول کوڈ کے نافذ کرنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور ۲۵/اگست ۱۹۵۵ء کو اس وقت کے وزیر قانون مسٹر پاٹکر نے یہ کہہ کر مسلمانوں کو چونکا دیا:

''اسپیشل میرج ایکٹ، ہندو میرج ایکٹ اور اب ہندو قانون وراثت بل کی پارلیمنٹ میں پیشی کو یکساں بنانے کے اقدامات ہیں اور ہندو قانون

میں جو اصلاحات کی جارہی ہیں وہ مستقبل قریب میں ہندوستان کی تمام آبادی پر نافذ کی جائیں گی۔''

مسٹر پاٹکر کی ان باتوں سے یہ سمجھنے میں کوئی دیر نہ لگی کے ان کا حقیقی مقصد کیا ہے یہ دراصل مسلم پرسنل لاء پر ان کا پہلا سرکاری حملہ تھا۔ جمعیۃ علماء ہند اور اس کی قیادت نے پارلیمنٹ اور اس کے باہر مسٹر پاٹکر کے اس بیان پر سخت احتجاج کیا جس کے نتیجہ میں خود پنڈت جواہر لال نہرو کو کہنا پڑا کہ مسلمانوں کی مرضی کے بغیر ان کے پرسنل لاء میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔

چند سال کی خاموشی کے بعد ۱۹۶۶ء میں حکومت نے اس سلسلہ میں پھر فتنہ کھڑا کیا اور وزارت قانون نے مسلم رہنماؤں اور تنظیموں کے ذمہ داروں کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں یونی فارم سول کوڈ کے بارے میں رائے مانگی گئی۔ ذیل میں وزارت قانون کا مراسلہ اور جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے اس کے جواب کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

''میں آپ کی توجہ آئین ہند کی دفعہ ۴۴ کی طرف دلانا چاہتا ہوں جو ریاستی پالیسی کی رہنمائی کرنے والے اصولوں سے متعلق ہے اور جس میں شہریوں کے لئے یکساں شہری ضابطہ کی ضرورت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ہمارے ملک میں قانون کے جملہ شعبوں میں شخصی قانون کے علاوہ یکساں قانون رائج ہیں اور دفعہ ۴۴ کا مقصد ہے کہ ہندوستان کے تمام شہریوں کے لئے یکساں ضابطہ (سول کوڈ) رائج کیا جائے۔

دستور ساز اسمبلی میں ڈاکٹر امبیڈکر نے آئین کے مسودوں کی دفعہ ۳۵ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ شہری قانون میں شادی اور وراثت وہ شعبے ہیں جہاں شہری قانون کا گزر نہیں ہوسکا ہے۔

حال میں پارلیمنٹ میں سوالات پوچھے گئے ہیں جن میں شادی، طلاق اور وراثت کے سلسلہ میں یکساں شہری قوانین کے نفاذ کا خصوصی

طور پر مطالبہ کیا گیا ہے آپ اس بات سے واقف ہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ ہندوستان کے بقیہ لوگوں میں ایک ازدواجی رواج قائم ہے اس لئے بات صرف یہ رہ جاتی ہے کہ مسلمانوں میں کثرت ازدواج کو ختم کیا جائے یا نہیں ؟ پارلیمنٹ کے بعض اراکین نے مطالبہ کیا ہے کہ مسلمانوں میں بھی یکساں ازدواجی نظام رائج کیا جائے لیکن مسلمانوں میں اس مسئلہ پر اختلاف رائے ہے، بہت سے لوگ کثرت ازدواج کے خاتمہ کے حق میں نہیں ہیں ان کا خیال ہے کہ شریعت (مسلم شخصی قانون) اس کے مذہب کا حصہ ہے اس لئے دستور کی دفعہ ۲۹/۲۵ کے تحت محفوظ ہے لیکن اس کے ساتھ ہی سارے ملک میں یکساں شہری قوانین کے نفاذ کا مقصد اس وقت تک کبھی پورا نہیں ہوسکتا جب تک مسلمانوں پر بھی اس کا نفاذ نہیں ہوتا۔

پارلیمنٹ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے وزیر قانون نے لوک سبھا میں کہا کہ اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے وہ اس معاملہ میں ریاستی حکومتوں کی رائے معلوم کریں گے اس کے بعد ہی شادی، طلاق اور وراثت سے متعلق یکساں قانون پیش کئے جانے کا فیصلہ کیا جائے گا اس سلسلہ میں ریاستی حکومت کی رائے جلد از جلد پیش کی جائے گی۔

برائے کرم آپ بھی ۱۵/نومبر ۱۹۶۶ء تک اپنی رائے سے آگاہ کریں ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ آپ اس موضوع پر کوئی رائے نہیں رکھتے''

احترام کے ساتھ مخلص

انڈر سکریٹری لاء اینڈ جوڈیشل

۲۵/اکتوبر ۱۹۶۶ء

وزارت قانون کے اس مراسلہ کا جواب اس وقت کے جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا جس کا متن حسب ذیل ہے:

''آپ کا خط F19C187/66JUDL مورخہ ۲۵/اکتوبر ۱۹۶۶ء ملا شکریہ اس سلسلہ میں میں آپ کو ایک خط ۳۰/اکتوبر ۱۹۶۶ء کو لکھ چکا ہوں، یونی فارم سول کوڈ کے بارے میں مسلمانوں سے متعلق حسب ذیل امور قابل توجہ ہیں:

(۱) مسلمانوں کے پرسنل لاء میں جو امور آتے ہیں مثلاً شادی، طلاق، خلع اور وراثت وغیرہ وہ کسی سوسائٹی، شخصی، یا اشخاص کے بنائے ہوئے نہیں ہیں، نہ وہ تہذیبی اور رسم ورواج کے معاملات ہیں بلکہ وہ بھی نماز، روزہ، حج وغیرہ کی طرح مذہبی احکام کا حصہ ہیں اور مقدس قرآن کریم سے گائڈ ہوتے ہیں، قرآن کریم مسلمانوں کے نزدیک خدائے پاک کا کلام ہے اور مذہب اسلام کی سب سے مقدس ومحترم کتاب ہے اور شرعی احکام کا مخزن ہے، وہ کسی انسان یا نبی کریم ﷺ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

(۲) قرآن پاک میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی غیر مبہم اور واضح اجازت درج ہے۔

(۳) قرآنی قوانین یعنی مذکورہ بالا اسلامی قوانین نہ کسی مجلس قانون ساز کے بنائے ہوئے ہیں نہ کسی حکومت کے نافذ کردہ ہیں اس لئے اس میں ترمیم یا تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(۴) مذکورہ بالا قوانین اور احکام میں کسی طرح کی بھی تبدیلی کی کوشش دین اسلام میں صریح مداخلت ہے۔

(۵) یہ قوانین صرف مسلمانوں کے لئے واجب العمل ہیں ان قوانین کو نہ

تسلیم کرنے والا مسلمان گنہ گار ہوتا ہے۔

(۶) ان قوانین کا دوسرے شہریوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان قوانین کے لئے صرف اس شخص پر پابندی لازم ہوتی ہے جو مذہب اسلام کا پیرو ہو۔

(۷) یہ قوانین کسی بھی امن عامہ میں مخل نہیں ہوتے اور نہ کسی طرح مخل ہیں۔

(۸) تعدد ازدواج لازم نہیں کیا گیا ہے بلکہ کچھ خاص حالتوں میں خاص شرائط کے ساتھ اجازت دی گئی ہے اس لئے ہندوستانی مسلمانوں میں ایک سے زائد شادی کرنے کی تعداد ایک فیصدی بھی نہیں ہے۔

(۹) کانسٹی ٹیوشن آف انڈیا کی دفعہ ۲۵۔ اور دفعہ ۲۹ میں مذہبی آزادی کے تحفظ کی گارنٹی دی گئی ہے اس لئے ان قوانین میں کسی طرح کی بھی تبدیلی کانسٹی ٹیوشن میں دیئے گئے بنیادی حقوق اور یقین دہانی کے خلاف ہوگی۔

آپ حضرات جانتے ہے کہ مسلمان بہت سے مسائل میں مشقتیں برداشت کر لیتے ہیں لیکن وہ اپنے مذہبی امور میں مداخلت اور دین کی توہین کبھی برداشت نہیں کر سکتے ہیں اور انہوں نے دین کے تحفظ کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دینے سے بھی کبھی گریز نہیں کیا ہے۔ مذہب کے مسئلہ میں نہ ان کے لئے پاکستان کی غیر شرعی، غیر جمہوری حکومت کے اعمال حجت ہیں اور نہ انڈونیشیا، مصر اور مراکش کے وہ پابند ہیں، ان کے پاس قرآن وحدیث ہیں، شریعت، مذہبی احکام موجود ہیں وہ اگر چہ اپنی کوتاہی اور سستی کی وجہ سے پوری طرح عمل نہ کر پاتے ہوں لیکن وہ دین کی توہین اور اس

میں مداخلت کو کبھی برداشت نہیں کر پاتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ اور روایات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے جذبات سے نہ کھیلا جائے گا اور مذکورہ مسائل جو مذہب کے اجزاء ہیں ان کو چھیڑ کر کروڑوں مسلمانوں کو بے چین نہ کیا جائے گا۔ ورنہ حکومت کے سیکولر کیرکٹر کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں شبہات ہوں گے اور اس سے انٹی سیکولر اور رجعت پسند افراد فائدہ اٹھائیں گے۔''

(مولانا) اسعد مدنی

جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ہند

۳۰/اکتوبر ۱۹۶۶ء

وزارت قانون کے اس خط سے مسلم پرسنل لاء میں ترمیم و تنسیخ کے حکومت کے خطرناک ارادہ کی بوسونگھ کر جمعیۃ علماء ہند نے رائے عامہ کو بیدار کرنے اور مسلمانوں کو ان کی شریعت کے لئے لاحق خطرہ کے مقابلہ کے لئے ۲۴/نومبر ۱۹۶۶ء کو (یوم پرسنل لاء) منایا اور حکومت کو خبردار کیا کہ وہ یکساں سول کوڈ کے خیال کو ترک کردے ورنہ اس کا جو بھی ردعمل ہوگا اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔ جمعیۃ علماء ہند کے اس موقف کے بعد حکومت نے خاموشی اختیار کر لی۔

چند سال کے بعد حکومت نے اس مسئلہ کو پھر چھیڑ دیا اور ۱۹۷۲ء میں مرکزی وزیر قانون نے پارلیمنٹ میں متبنّیٰ بل پیش کیا جس کی جمعیۃ علماء ہند اور اس کے توسط سے ہندوستانی مسلمانوں نے زبردست مخالفت کی اور ۱۹/۲۰/اگست ۱۹۷۲ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے اس بل سے سخت اختلاف کرتے ہوئے پرزور مطالبہ کیا کہ اس ایکٹ سے مسلمانوں کو مستثنیٰ رکھا جائے جس کے نتیجہ میں حکومت نے مسٹر گجندر گڈگر کی صدارت میں ایک لاء کمیشن مقرر کیا جس کا کام دستور کی دفعات کے درمیان تال میل پیدا کرنا اور

ان دفعات کی نشاندہی کرنا تھا جو ایک دوسرے سے متعارض تھیں لیکن مسٹر گجندر گڈگر نے اپنا فرض منصبی ادا کرنے کے بجائے بیان دے ڈالا کہ ''مسلمانوں کو یکساں سول کوڈ کو قبول کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لینا چاہئے اور اگر انہوں نے خوش دلی کے ساتھ یہ تجویز منظور نہیں کی تو قوت کے ذریعہ یہ قانون نافذ کر دیا جائے گا۔''

مسٹر گجندر گڈگر کا یہ کہنا تھا کہ پورے ملک میں کھل بلی مچ گئی، جمعیۃ علماء ہند جو اعلیٰ سطحی یقین دہانیوں کے بعد دوسرے ملی کاموں کی طرف متوجہ ہونے لگی تھی اس بیان پر حیران اور ششدر رہ گئی۔ اس نے فوراً اس کا نوٹس لیا اور ایک بار پھر حکومت پر واضح کر دیا کہ اس کی یہ جسارت مسلمانوں کے دین میں کھلی مداخلت سمجھی جائے گی۔ اور مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر وہ اپنے دین میں مداخلت یا اس کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔

۱۹۷۹ء میں تعدد ازدواج کے سلسلہ میں یہ فتنہ پھر اٹھا اور ایک پرائیویٹ بل پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا جس کے خلاف جمعیۃ علماء ہند اور اس کی قیادت کو ایک بار پھر میدان میں آنا پڑا اور بمبئی کے اجلاس عام منعقدہ ۱۴ تا ۱۶ر جنوری ۱۹۸۳ء میں امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطبہ صدارت میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے خلاف پوری قوت سے آواز اٹھائی اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کو دستور کی دفعہ ۴۴ سے مستثنیٰ رکھا جائے بالآخر متعلقہ ممبر کو یہ بل واپس لے کر پسپائی اختیار کرنا پڑی۔

۵ر دسمبر ۱۹۸۶ء کو جمعیۃ علماء ہند کی اپیل پر پورے ملک مین یکساں سول کوڈ کے خلاف یوم تحفظ شریعت منایا گیا اور ملک بھر میں نماز جمعہ کے بعد مساجد میں ہونے والے اجتماعات میں یکساں سول کوڈ کے خلاف تجویزیں منظور کیں گئیں اور لاکھوں کی تعداد میں ٹیلی گرام اور خطوط وزیر اعظم ہند اور وزیر قانون حکومت ہند کو ارسال کئے گئے۔

اسی پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ ۷ر دسمبر ۱۹۸۶ء کو جمعیۃ علماء ہند نے یکساں سول

کوڈ مخالف کنونشن نئی دہلی میں منعقد کیا، تاریخ بتاتی ہے کہ دہلی کے حالات کشیدہ ہونے کے باوجود ایک سو پچاس سے زائد اہم قانون داں کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب اور فرقوں کی اہم شخصیات نے شرکت کی اور یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی مخالفت میں مذمتی تقریریں کیں۔

مسلم خواتین بل کی پارلیمانی منظوری کے بعد فرقہ پرست اور روشن خیال دانشوروں کے یہاں خاموشی چھا گئی لیکن یہ سکوت عارضی ثابت ہوا اور ایک بار پھر شریعت اسلامی کے خلاف اس وقت بڑی شدت کے ساتھ آوازیں اٹھنے لگیں جب دانستہ یا نادانستہ طور پر جماعت اہل حدیث کے ترجمان ''جریدہ ترجمان'' میں طلاق ثلاث کے تعلق سے ایک فتویٰ شائع ہوا جسے ہمارے روشن خیال دانشوروں، فرقہ پرست عناصر اور نیشنل پریس نے فوراً اچک لیا اور پروپیگنڈہ شروع کیا کہ ایک مجلس کے تین طلاقوں کو تین مان کر اسلامی شریعت میں مسلم عورتوں پر ظلم استبداد کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔

ان حالات میں جمعیۃ علماء ہند نے امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کی قیادت میں ۳؍۴؍ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو دو روزہ عظیم الشان تحفظ شریعت کانفرنس منعقد کر کے دریدہ دہن اور اسلام دشمن طاقتوں کو جواب دیا اس کانفرنس میں ملک کے طول وعرض سے چار ہزار سے زائد اکابر علماء دین، مفتیان عظام، رہنمایانِ ملت اور اصحابِ رائے نے شرکت کی اور انہوں نے کھلم کھلا اعلان کیا کہ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر اپنے دین و مذہب میں مداخلت اور اپنی شریعت کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔

یکساں سول کوڈ کے خلاف جمعیۃ علماء ہند کی صدائے احتجاج بلند کئے ابھی دو سال بھی پورے نہیں ہوئے کہ ۱۹۹۵ء میں مقدمہ بعنوان ''سرلا مدگل بنام یونین آف انڈیا'' میں سپریم کورٹ نے حکومت ہند سے حلف نامہ طلب کیا کہ وہ یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لئے کیا کوششیں کر رہی ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند نے فوراً عملی میدان میں آ کر سپریم کورٹ میں شریعت کے تحفظ اور یکساں سول کوڈ کی مخالفت میں رٹ پٹیشن دائر کیا، اور ملک کے ہر خطہ سے

یکساں سول کوڈ کی مخالفت میں لاکھوں خطوط صدر جمہوریہ ہند کو ارسال کرائے۔ جس کے نتیجہ میں حکومت وقت مجبور ہوگئی اور اس نے سپریم کورٹ آف انڈیا میں یہ حلف نامہ داخل کیا'' کیونکہ عوام یکساں سول کوڈ نہیں چاہتے اس لئے ہم کوئی عملی قدم نہیں اٹھا رہے ہیں۔''

دسمبر ۱۹۹۹ء میں بی جے پی کے مسٹر آداتیہ ناتھ نے ایک بار پھر اپوزیشن کی مخالفت کے باوجود یکساں سول کوڈ بنانے سے متعلق ایک بل لوک سبھا میں پیش کر دیا جس کی جمعیۃ علماء ہند نے اپنی پرزور مخالفت سے اس سازش کو ناکام بنا دیا۔

یکساں سول کوڈ کے تعلق سے ۲۰۰۰ء سے ۲۰۱۵ء تک حکومت خاموش رہی۔ ۲۰۱۵ء میں ایک مقدمہ جس کا عنوان ''پرکاش بنام پھول وتی'' تھا۔ سپریم کورٹ میں فائنل بحث کے لے پیش ہوا۔ اس مقدمہ کے تمام نکات ہندو عائلی قوانین (ہندو پرسنل لاء) سے متصادم تھے۔ بحث کے آخری مرحلہ میں کسی ایک وکیل نے سپریم کورٹ کے سامنے یہ بات پیش کی کہ مسلم خواتین بھی غیر مساوی سلوک کی شکار ہیں۔ صرف اتنی سی بات پر فاضل جج صاحبان نے خود بخود ایک پٹیشن رجسٹرڈ کر کے اٹارنی جنرل آف انڈیا کو ۱۴/اکتوبر ۲۰۱۵ء کو نوٹس جاری کر دیا اور پوچھا کہ کیا مسلم خواتین طلاق ثلاثہ اور کثرت ازدواج کے تعلق سے غیر مساوی سلوک کا شکار ہیں۔

جب اس خطرناک نوٹس کی تفصیلات حضرت مولانا سید ارشد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کے علم میں آئیں تو انہوں نے فوراً جمعیۃ علماء کے قانونی سیل کو حکم دیا کہ وہ معاملہ کی نوعیت سمجھیں اور قانونی دائرہ میں رہتے ہوئے فوراً عملی اقدامات کریں۔ چنانچہ فروری ۲۰۱۶ء کو جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے سپریم کورٹ میں فریق بننے کی عرضی پیش کر دی گئی جس میں عدالت عظمیٰ سے درخواست کی گئی کیونکہ یہ شریعت سے متعلق موضوع ہے اس وجہ سے جمعیۃ علماء ہند کو سنے بغیر سپریم کورٹ کوئی فیصلہ نہ دے، جمعیۃ کی اس درخواست کو عدالت عظمیٰ نے ۵/فروری ۲۰۱۶ء کو منظور کر لیا۔ اس خبر کو اخبارات نے اپنی شہ سرخی کے ساتھ شائع کیا:

- یکساں سول کوڈ سے متعلق سپریم کورٹ کا نوٹس، نفاذ کے خلاف جمعیۃ علماء ہند کی عرضی سماعت کے لئے منظور۔ (روزنامہ راشٹریہ سہارا، ۵؍فروری ۲۰۱۶ء)
- یکساں سول کوڈ: جمعیۃ عرضی پر مودی سرکار کو سپریم کورٹ کا نوٹس۔ یکساں سول کوڈ کو نافذ کئے جانے کے معاملہ میں داخل عرضی کے خلاف جمعیۃ علماء کی عرضی سماعت کے لئے منظور۔ مولانا ارشد مدنی نے کہا اب ہم عدالت کو بتاسکیں گے کہ شرعی قوانین سے خواتین کے حقوق پر کوئی ضرب نہیں پڑتی۔ (روزنامہ انقلاب ۵؍فروری ۲۰۱۶)
- یکساں سول کوڈ کی تائید میں داخل عرضی کے خلاف عدالت عظمیٰ میں جمعیۃ علماء ہند کا عریضہ سماعت کے لئے منظور۔ سپریم کورٹ نے مرکزی حکومت اور دیگر کے نام نوٹس جاری کر کے چھ ہفتوں کے اندر جواب طلب کیا۔

(روزنامہ ہندوستان ایکسپریس ۵؍فروری ۲۰۱۶ء)

- یکساں سول کوڈ کی حمایت میں سپریم کورٹ میں داخل عرضی کے خلاف جمعیۃ علماء ہند کی پٹیشن سماعت کے لئے منظور۔ عرضداشت کی منظوری کے بعد اب ہم مسلم پرسنل لاء کا موقف بحسن وخوبی پیش کرسکیں گے اور دلائل کے ساتھ ہمیں یہ ثابت کرنے میں بھی کامیابی حاصل ہونے کا قوی امکان ہوگا کہ جو شرعی قوانین ہیں ان سے خواتین کے حقوق پر کوئی ضرب نہیں پڑتی، شریعت کے تعلق سے ''دانستہ جو غلط فہمیاں پھیلادی گئیں ہیں انہیں بھی دور کرنے میں مدد ملے گی۔ مولانا ارشد مدنی۔

(روزنامہ خبریں ۵؍فروری ۲۰۱۶ء)

اسی درمیان فرح فیض نام کی ایک خاتون نے جمعیۃ علماء ہند کی مخالفت میں ۲۸؍فروری ۲۰۱۶ء کو سپریم کورٹ میں ایک جوابی عرضی داخل کی جس کا جواب ۱۷؍مارچ ۲۰۱۶ء اور ۲۸؍مارچ ۲۰۱۶ء کو جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے مفصل حلفیہ بیان اس ایشو پر داخل کیا گیا۔

- ۴؍مئی ۲۰۱۶ء کو بدر سعید نے بحیثیت مداخلت کار بننے کی سپریم کورٹ میں

درخواست داخل کی۔

- ۲۰؍مئی ۲۰۱۶ء کو ذکیہ سومن نے بھی مداخلت کار بننے کی سپریم کورٹ میں درخواست داخل کی۔
- ۲۶؍مئی ۲۰۱۶ء کوفرح فیض کے اعتراضات کا جواب جمعیۃ علماء ہند (مولانا ارشد مدنی) کی جانب سے داخل کیا گیا۔
- ۲۹؍مئی ۲۰۱۶ء کومسلم خواتین ویلفیئر نامی تنظیم نے جمعیۃ علماء ہند (مولانا ارشد مدنی) کی حمایت میں ایک حلفیہ بیان داخل کیا۔
- ۸؍اگست ۲۰۱۶ء کوسیرت النبی اکیڈمی حیدرآباد نے بھی اپنا حلفیہ بیان داخل کیا۔
- ۲؍ستمبر ۲۰۱۶ء کومسلم پرسنل لاء بورڈ نے سپریم کورٹ کے سوموٹوٹس کے خلاف اپنا اعتراض داخل کیا۔
- ۲۹؍جون ۲۰۱۶ء کو عدالتِ عظمیٰ نے حکومت ہند کو ہدایت دی کہ ۶ ہفتہ کے اندر طلاقِ ثلاثہ اور کثرت ازدواج کے معاملے میں اپنا موقف عدالت کے سامنے تحریری شکل میں پیش کرے۔

عدالتِ عظمیٰ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے حکومت ہند نے عدالت میں ایک حلف نامہ ۷؍اکتوبر ۲۰۱۶ء کو داخل کیا اور اس میں یہ موقف اختیار کیا کہ حکومت ہند طلاقِ ثلاثہ اور کثرت ازدواج کی شدید مخالفت کرتی ہے اور اسے ایک سماجی برائی کے طور پر لیتی ہے جس پر روک لگنی چاہئیے۔

جمعیۃ علماء یہ محسوس کرتی ہے کہ ملک میں یکساں سول کوڈ کے نافذ کرنے کے لئے حکومت ہند کی یہ ایک چال ہے۔ انشاء اللہ جمعیۃ علماء ہند اور اس کے صدر محترم حضرت مولانا سید ارشد مدنی سپریم کورٹ میں اس کی پرزور مخالفت کریں گے اور اپنا موقف پیش کریں گے نیز اگر ضرورت پڑی تو عوامی احتجاجات کا بھی سلسلہ شروع کیا جائے گا۔''

ماہرین قانون کے مطابق سپریم کورٹ میں کسی مقدمہ کے دوران عرضداشت کی

سماعت کے لیئے منظوری کا میابی کی پہلی سیڑھی ہے۔

سپریم کورٹ میں داخل کی گئی عرضداشت میں عدالت کو بتایا گیا کہ ملک میں مسلمانوں کے ازدواجی اور دیگر مسائل شریعت کی روشنی میں مسلم پرسنل لاء کے تحت حل کیئے جاتے ہیں اور یکساں سول کوڈ کے نفاذ سے شہریوں کو حاصل مذہبی و بنیادی حقوق کی آزادی پر ضرب لگ جائے گی اور یہ مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں۔ اس غیر معمولی قانونی پیش رفت پر جمعیۃ علماء ہند کے صدر حضرت مولانا سید ارشد مدنی نے انتہائی اطمینان کا اظہار کیا اور کہا:

'' عرضداشت کی منظوری کے بعد اب ہم اپنا (مسلم پرسنل لاء) موقف شریعت کی روشنی میں عدالت کے سامنے بحسن وخوبی پیش کرسکیں گے کہ ان شرعی قوانین سے خواتین کے حقوق پر کوئی ضرب نہیں پڑتی بلکہ دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں شریعت نے خواتین کو کہیں زیادہ حقوق دیئے ہیں۔

مولانا مدنی نے مرکزی حکومت کے رویہ پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جس وقت ملک آزاد ہوا جمعیۃ علماء ہند ہی مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم تھی اور اس نے ملک کی آزادی میں سالہا سال سرگرم کردار ادا کیا تھا۔ اس وقت جمعیۃ علماء کے رہنماؤں نے مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لعل نہرو سمیت تمام اہم لیڈروں سے واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ ہم آپ کے ساتھ تب ہی رہ سکتے ہیں جب آپ ہمیں ہمارے ملک ہندوستان میں مذہبی آزادی کے ساتھ رہنے کا دستوری حق دیں گے اور ان ہی شرائط کی بنیاد پر اس وقت کے رہنماؤں نے ملک کا سیکولر قانون وضع کیا تھا اور اقلیتوں کو ان کے مذہبی امور انجام دینے کی مکمل دستوری آزادی مہیا کرائی گئی تھی، لیکن موجودہ حکومت ملک کی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں کے پرسنل لاء میں بلاوجہ مداخلت کر کے ملک میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی راہ

ہموار کر رہی ہے‘‘

لاء کمیشن کا یکساں سول کوڈ پر سوالنامہ منظر عام پر آنے کے بعد جمعیۃ علماء ہند نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے اس سوالنامہ کے بائیکاٹ کے فیصلہ کی مکمل حمایت کا اعلان کیا۔ دہلی میں منعقدہ ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں تمام مقتدر ملی تنظیموں نے اعلان کیا کہ یکساں سول کوڈ کے سلسلہ میں لا کمیشن نے جو سوالنامہ قائم کیا ہے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور تمام مسلم جماعتیں، جمعیۃ علماء ہند، جماعت اسلامی ہند، مسلم مجلس مشاورت، ملی کونسل، مرکزی جمعیت اہل حدیث، نیز تمام مسالک دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، شیعہ، اس کو مسترد کرتے ہیں، اور واضح کرتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے لئے ہرگز قابل قبول نہیں ہے، نیز مسلمانوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اس کا بائیکاٹ کریں اور اس سوالنامہ کا جواب نہ دیں۔ اس موقع پر میڈیا سے خطاب کرتے ہوئے صدر جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا ارشد مدنی نے خبردار کیا:

’’یکساں سول کوڈ کے مسئلہ کو ہوا دے کر مودی جی ملک میں جمہوریت کے نام پر بدترین تاناشاہی اور نفرت کا ماحول پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسلمان اس ملک میں ایک ہزار سال سے رہتے آرہے ہیں اور اپنے پرسنل لاء پر عمل کر رہے ہیں لیکن آج تک کوئی ٹکراؤ یا کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہوا۔ اب اچانک ایسا کیا ہوگیا کہ یہ حکومت اقلیتوں کو ان کے پرسنل لاء سے محروم کرنے پر آمادہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ دراصل موجودہ حکومت کی نیت خراب ہے وہ اپنے سیاسی مقاصد اور عزائم کی حصولی کے لئے نفرت کے بیج بو رہی ہے۔ جس کی ہم ہر سطح پر مخالفت کریں گے۔ صدر محترم نے لاء کمیشن کی رائے شماری کی سازش کو بے نقاب کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ اس ملک میں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ ہے اس لئے زیادہ جواب یونیفارم سول کوڈ کے حق میں آئیں گے۔ درحقیقت یہ سوالنامہ کمیشن

کی بدنیتی کا مظہر اور مسلم پرسنل لا کو ختم کرنے کی سازش ہے، جس کے سولہ سوالوں میں چودہ کا تعلق مسلمانوں سے، باقی دو کا تعلق عیسائی فرقہ اور ہندو فرقہ سے ہے۔ اس سوالنامہ میں کوشش کی گئی ہے کہ جواب دینے والوں کو الجھا دیا جائے، کمیشن نے دستور کی دفعہ ۴۴ر کا حوالہ دیتے ہوئے یکساں سول کوڈ کو ایک دستوری عمل قرار دینے کی کوشش کی ہے، یہ بالکل دھوکہ اور جھوٹ ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ دفعہ رہنما ہدایات کا حصہ ہے، جس پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے، دستور کے جس حصہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، وہ دستور میں مذکور بنیادی حقوق کا حصہ ہے، جس کی دفعہ ۲۵ر ضمانت دیتی ہے کہ ملک کے ہر شہری کو مذہب کے مطابق عقیدہ رکھنے، مذہبی قوانین پر عمل کرنے اور مذہب کی تبلیغ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔''

حضرت صدر محترم کے خطاب کو نیشنل میڈیا نے نمایاں طور پر کور کیا۔

الحمدللہ آج اس مقدمہ میں جمعیۃ علماء فریق اول ہے اور جمعیۃ علماء ہند کے واضح موقف کو سنے اور سمجھے بغیر سپریم کورٹ آف انڈیا کوئی فیصلہ نہیں دے گا۔

ابھی ملک کی سب سے بڑی عدالت سپریم کورٹ میں مقدمہ کی سماعت جاری تھی کہ موجودہ حکومت نے اس مقدمہ کو یکساں سول کوڈ کی ضرورت ونفاذ کا جامہ پہنا دیا اور لاء کمیشن آف انڈیا نے سولہ سوالوں پر مشتمل ایک سوال نامہ جاری کر دیا جس میں چودہ سوال تو مسلمانوں کے عائلی قوانین (مسلم پرسنل لاء) سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک سوال عیسائیوں کا عائلی مسئلہ بیان کرتا ہے نیز بچا ہوا ایک اور سوال ہندوؤں کے عائلی مسئلہ سے تعلق رکھتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس مقدمہ کی بنیاد مسلم خواتین کے ساتھ غیر مساوی سلوک تک محدود ہے۔

لاء کمیشن نے اس سوال نامہ کو دو زبان یعنی ہندی اور انگریزی میں جاری کیا تھا لیکن صدر جمعیۃ علماء ہند کی ہدایت پر جمعیۃ کی قانونی ٹیم نے اس کو اردو میں ترجمہ کر کے شائع

کیا، تا کہ مسلم عورتیں اور مرد اس سوال نامہ کو اور موجودہ حکومت کے منشاء کو سمجھ سکیں۔

ابھی یہ معاملہ گرم ہی تھا کہ ۱۷/ اکتوبر ۲۰۱۶ء کو موجودہ حکومت نے مسلم پرسنل لاء کے خلاف سپریم کورٹ میں اپنا حلف نامہ داخل کر کے اپنے جارحانہ عزائم کو بالکل عیاں کر دیا۔

جمعیۃ علما ہند کے صدر حضرت مولانا سید ارشد مدنی نے 8 اکتوبر کو جاری ایک اخباری بیان میں اس پر سخت ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

> ''تین طلاق اور تعدد ازدواج کے تعلق سے سپریم کورٹ میں مرکزی حکومت کی پیش کردہ رائے نا قابل قبول ہے اور جمعیۃ علماء ہند اس کی نہ صرف سخت مذمت کرتی ہے بلکہ اسے یکسر مسترد کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمان کے لئے قرآن اور حدیث ہی سب سے بڑا دستور ہے اور مذہبی امور میں شریعت ہی قابل تقلید ہے جس میں تا قیامت کوئی ترمیم ممکن نہیں اور سماجی اصلاحات کے نام پر شریعت میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ خیال رہے کہ حکومت نے اپنے حلف نامہ میں کہا کہ ''پرسنل لاء کی بنیاد پر مسلم خواتین کے آئینی حقوق نہیں چھینے جا سکتے اور اس سیکولر ملک میں تین طلاق کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔''

مولانا سید ارشد مدنی نے مزید کہا:

> ''جمعیۃ علما ہند بطور فریق سپریم کورٹ میں اپنا موقف واضح کر چکی ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی امور قرآن اور حدیث کی بنیاد پر طے ہوتے ہیں اور سماجی اصلاحات کے لئے شریعت کو دوبارہ نہیں لکھا جا سکتا اور نہ ہی رہتی دنیا اس میں کوئی ترمیم ہی ممکن ہے۔ مذہب کے معاملے میں مسلمانوں کے لئے قرآن اور حدیث کے علاوہ اور کوئی دستور نہیں ہے۔ جمعیۃ بطور فریق اس بات کو ایک بار پھر سپریم کورٹ کے سامنے رکھے گی۔''

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ہندو، مسلم، سکھ، اورعیسائی کے نام پر چار عائلی قوانین (پرسنل لاء) کو یکجا کرنے کا نام یکساں سول کوڈ نہیں ہے، بلکہ ہندوستان میں کم وبیش ایسے دوسو عائلی قوانین (پرسنل لاء) ہیں جن کو ایک مالا میں پرونے کا نام یکساں سول کوڈ ہوگا۔ جو کہ مشکل ہی نہیں بلکہ ایک ناممکن عمل ہے اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

صدر محترم جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا سید ارشد مدنی کی ہدایت پر جمعیۃ قانونی سیل اس اہم مسئلہ پر بلا کسی تفریق کے تمام مسلم تنظیموں سے رابطہ میں ہیں۔ ہم کو اس کا یقین ہے کہ اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے اور ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔

جمعیۃ علماء ہند سے تحریک پا کر قبائلی اور آدیواسی طبقات کی نمائندہ تنظیم

راشٹریہ آدیواسی ایکتا پریشد' نے بھی سپریم کورٹ میں یکساں سول کوڈ کے خلاف حلف نامہ دائر کیا

یہ بھی ایک روز روشن کی طرح حقیقت ہے کہ یکساں سول کوڈ صرف مسلم فرقہ کا مسئلہ نہیں ہے اس کی ضرب سینکڑوں مذہبی اکائیوں پر پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ درج فہرست طبقات اور قبائل، لنگایتوں، بودھوں اور دیگر پس ماندہ فرقوں نے حکومت کے اس اقدام کی سخت مذمت کی۔ ان مذہبی گروہوں نے ایک مشترکہ پریس کانفرنس کر کے حکومت کو خبردار کیا کہ ایسا کوئی بھی قدم ان کے بنیادی حقوق کو ختم کرنے اور ملک کی سالمیت کو داؤ پر لگانے اور سماجی انتشار پیدا کرنے کے مترادف ہوگا۔

اس کے ساتھ ساتھ جمعیۃ علما ہند سے تحریک پا کر قبائلی یا آدیواسی طبقات کی نمائندہ تنظیم "**راشٹریہ آدیواسی ایکتا پریشد**" نے سپریم کورٹ میں یکساں سول کے خلاف ایک حلف نامہ دائر کیا ہے جس میں یہ استدلال پیش کیا گیا ہے کہ اگر عدالت یکساں سول کوڈ کے سلسلہ میں کوئی حکم دیتی ہے تو اس کے نتیجہ میں قبائلیوں کی جداگانہ مذہبی

حیثیت، ان کے جداگانہ رسوم ورواج، مذہبی طریقوں، ورثہ، ثقافت اوران کے ایک سے زائد بیویاں اورایک سے زائدشوہر رکھنے کا حق وغیرہ ختم ہوجائیں گے۔ راشٹریہ آدیواسی ایکتا پریشد نے یہ بھی دلیل پیش کی کہ آئین کی رو سے قبائل ہندودھرم کا حصہ نہیں ہیں، وہ ہندووں کی طرح مورتی پوجانہیں کرتے بلکہ قدرت کی عبادت کرتے ہیں۔ تنظیم کے قومی رابطہ کار پریم کمار گیڈو کے بقول قبائلیوں میں شادی بیاہ کا رواج ہندودھرم سے مختلف ہے، ان کے یہاں جب کسی کی موت ہوتی ہے تو اسے نذر آتش نہیں بلکہ دفنایا جاتا ہے۔ گیڈو کے مطابق آئین کی دفعات 342اور 244 اس بات کا علان کرتی ہیں کہ قبائل ہندونہیں ہیں۔جن کی تعداد12 کروڑ سے زیادہ ہے۔

حلف نامہ میں استدعا کی گئی ہے کہ ''اگر یونیفارم سول کوڈ نافذ ہوتا ہے تو اس صورت میں آدیواسیوں کی شادی، عبادت، آخری رسومات اور دیگر رسومات ختم ہوجائینگی۔

حلف نامہ میں جمعیۃ علماء ہند کے حلف نامہ کا بھی ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ناگا، گونڈ، بیگا اور لوشئی وغیرہ قبائلی فرقوں میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کا رواج اور چلن ہے جبکہ ہمالیہ کے دامن میں واقع کشمیر سے لیکر آسام تک کے علاقوں میں آباد قبائل میں ایک شادی شدہ خاتون کے کئی کئی شوہر ہوتے ہیں۔

ایک سے زائدشوہر رکھنے کا رواج تیان، ٹودا، روٹا، کھاسی، اورلداخی بوٹا وغیرہ قبائل میں پایا جاتا ہے۔ اس میں مزید یہ استدلال پیش کیا گیا ہندو میرج ایکٹ مجریہ 1955 کا ان پر اطلاق نہیں ہوتا۔ قبائل میں شادی اور طلاق کا معاملہ انتہائی آسان عمل ہے جو ایک سادہ تقریب کے ذریعہ ہوجاتا ہے۔ حلف نامہ میں یہ بھی دلیل دی گئی ہے کہ آئین کے رہنمادفعہ 44 کے تحت یکساں سول کوڈ وضع کرنا ریاست کا کام ہے نہ کہ عدالت کا۔

درحقیقت ہندوستان جیسے کثیر مذہبی ملک کے لئے یکساں سول کوڈ ایک ناقابل عمل تصور ہے۔ سابق مرکزی وزیر قانون ویرپا موئلی کے مطابق ملک میں تین سو300 پرسنل لازیا عائلی قوانین ہیں۔ اگر ہندو، مسلم اور دیگر مذہبی فرقوں کے عائلی قوانین کا تقابلی مطالعہ

کیا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ان کے درمیان کوئی ایک قدر بھی مشترک نہیں ہے۔تمام ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

اورتو اور ہندو عائلی قانون میں تو اس سے بھی زیادہ تضادات پائے جاتے ہیں جس کے دائرہ میں ہندووں کے علاوہ سکھوں، بودھوں، جینیوں، دلتوں نیز قبائلی فرقوں کو رکھا گیا ہے۔ چنانچہ ہندوؤں کا بھی کوئی ایک یکساں سول کوڈ نہیں بن سکتا ہے۔ ہندو میرج ایکٹ مجریہ 1955 کے مطابق جو مختلف فرقے ہندو کی تعریف کے تحت آتے ہیں وہ اپنے اپنے ریتی رواج کے مطابق شادی کر سکتے ہیں۔شمالی ہند میں شادی مکمل کہلانے کے لئے اگنی کے اردگرد سات پھیرے لینا لازمی ہے اس کے برخلاف جنوبی ہند میں شادی کے بالکل الگ الگ رسم ورواج ہیں۔اگر دولہا دلہن اپنے رشتہ داروں کی موجودگی میں ایک دوسرے کو ہار پہناتے ہیں یا ایک دوسرے کو انگوٹھی پہناتے یا اگر دلہا دلہن کی گردن پر ایک تھالی باندھ دیتا ہے تو اس صورت میں شادی کو مکمل سمجھا جاتا ہے۔رسوم اور رواج کی بھی قانونی حیثیت ہے۔ ہندو ایکٹ کے تحت شادی کے مکمل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فریق کے رسم ورواج کے مطابق شادی ہونی چاہیے۔مثلاً اگر کوئی جین مت کا ماننے والا بودھ دھرم کی ماننے والی عورت سے شادی کر رہا ہے اور وہ دونوں یہ شادی سکھ رسوم کے مطابق کرتے ہیں تو اسے تسلیم نہیں کیا جائے گا۔(شکنتلا بنام مِل کنٹھا مقدمہ 1972ء، بحوالہ فیملی لاء از پارس دیوان)

اس کے علاوہ شادی کے لئے سماجی رشتے کے معیارات بھی مختلف ہیں۔شمالی ہند میں خالہ زاد، چچازاد اور پھوپھی زاد بہن سے شادی کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ یہاں ہریانہ، اتر پردیش کے مغربی، راجستھان کے شمالی علاقوں میں اور خصوصیت سے جاٹوں میں ایک ہی گوتر میں شادی حرام ہے۔ان کے سماجی تصورات کے مطابق ایک ہی گوتر میں لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے کے بھائی بہن ہوتے ہیں۔اس کے برعکس جنوبی ہند کے کئی طبقوں بالخصوص براہمنوں میں اپنی سگی بھانجی سے شادی کو پسندیدہ تصور کیا جاتا ہے۔سول کوڈ کے

نا قابل عمل ہونے کے بارے میں سابق وزیراعظم پی وی نرسمہا راؤ نے 1996 میں وزیر اعظم واجپئی کی 13 دنوں کی حکومت میں لوک سبھا میں صدر جمہوریہ کے خطبہ پر بحث کے دوران بڑی عالمانہ تقریر کی تھی جس میں انہوں نے مذکورہ نکات اٹھائے تھے۔

اس سلسلہ میں تازہ واقعہ ہریانہ کے ضلع حصار کے گاؤں سلکھانی میں پیش آیا جہاں کھاپ (قبیلہ) پنچائیت نے ایک شادی شدہ جوڑے کو، جن کی 6 دسمبر کو شادی ہوئی تھی، یہ حکم سنایا کہ وہ شادی توڑ کر بہن بھائی کی طرح رہیں۔ ٹائمس آف انڈیا 18 دسمبر دہلی کی خبر کے مطابق نوین کمار اور بیتا کی شادی 6 دسمبر کو سلکھانی گاؤں میں ہوئی تھی۔ نوین کا تعلق سنگاہ گوتر (قبیلہ) اور بیتا کا تعلق بور گوتر سے ہے۔ لیکن کھاپ پنچائیت نے ان کی شادی کو ساقط قرار دیتے ہوئے فرمان جاری کیا کہ وہ بہن بھائی کی طرح رہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ دونوں تعلیم یافتہ اور اچھے سرکاری عہدوں پر فائز ہیں اور دونوں کی عمریں 26 سال سے اوپر ہے۔ بیتا کوآپریٹو بنک میں اسسٹنٹ منیجر اور نوین مرکزی محکمہ احتساب (سی اے جی) میں آڈیٹر ہے۔

جہاں تک ایک سے زیادہ بیویوں کا معاملہ ہے اس میں بھی ہندوؤں کا تناسب زیادہ ہے۔ حالانکہ ہندو میرج ایکٹ کے تحت یہ ایک جرم ہے۔ اِسکرال ڈاٹ اِن ویب سائٹ نے 2014 میں ایک رپورٹ جو 1974 میں چھپی تھی کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا تھا کہ ایک سے زیادہ شادی کے معاملے ہندوؤں میں 5.8 فیصد اور مسلمانوں میں 5.6 فی صد ہیں۔ یعنی آبادی کے تناسب کے اعتبار سے ہندوؤں میں مسلمانوں سے پانچ گنا زیادہ لوگ ایک سے زائد بیوی رکھتے ہیں۔

اس سلسلہ میں گجرات کی مثال ہے جہاں دوسری بیوی رکھنے کے لئے چور دروازہ نکالا گیا ہے۔ یہاں ہندوؤں میں ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کا تصور ایک عرصہ سے رائج ہے۔ گجرات کے 'اعلی ذاتوں' میں ایک سے زائد بیوی رکھنے کی روایت کو ''میتری کرار' (صحیح لفظ ''قرار''،) کہتے ہیں جس سے مراد 'رفاقت کا اقرار نامہ' ہے۔ ہفتہ وار جریدہ

انڈیا ٹوڈے نے 2013 میں اس بارے میں ایک رپورٹ شائع کی تھی کہ احمد آباد میں بہت سارے لوگ 'میتری کرار' کو اپنا رہے ہیں۔ جریدہ کے مطابق 'یہ اقرار نامہ درحقیقت مرد یا عورت دونوں کے لئے دوستی اور رفاقت سے بڑھ کر ہے جن میں کوئی ایک پہلے سے ہی شادی شدہ ہوتا ہے۔ اس اقرار نامہ میں یہ بھی شامل ہوتا ہے کہ مرد اپنی شریک سفر کی ساری کفالت کا ذمہ لے گا۔ معتبر صحافی آکار پٹیل کے مطابق ''وہ ایک ایسے جوڑے کو جانتے ہیں جو سورت میں رہتا ہے اور وہ ایک بڑا تاجر ہے جس کی غیر منکوحہ شریک سفر ایک یونیورسٹی میں پروفیسر ہے'' لیکن اس پر فرقہ پرست عناصر یا روشن خیالی کا دم بھرنے والی خواتین کوئی واویلا نہیں مچاتیں نہ انہیں عام عورتوں کی 'مظلومیت' کا خیال آتا ہے۔

معروف صحافی آکار پٹیل جو حقوق انسانی کی معروف بین الاقوامی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل (انڈیا شاخ) کے ڈائریکٹر ہیں، یکساں سول کوڈ کی تشکیل کو ناقابل عمل قرار دیتے ہیں۔ ایک مضمون میں انہوں نے اس کا مدلل جائزہ لیا ہے اور کہا کہ مختلف سماجی اکائیوں میں شادی اور دیگر رسومات کے سلسلہ میں متضاد تصورات پائے جاتے ہیں۔ اسلام میں شادی ایک سماجی معاہدہ جبکہ ویدک دھرم میں یہ سات جنموں کا اٹوٹ مقدس رشتہ ہے۔ آکار پٹیل کے بقول اس طرح کے اختلافی مسائل کو کیسے حل کیا جائے گا؟ بطور مثال یکساں سول کوڈ میں شادی کو ایک سماجی معاہدہ تصور کیا جائے گا یا ایک مقدس کبھی نہ ٹوٹنے والا بندھن؟ وہ اسلام کے تصور شادی کو ترقی یافتہ قرار دیتے ہیں جبکہ ثانی الذکر تصور دیگر سماجی طبقات میں راسخ ہیں۔ ایک اور اہم مسئلہ جنس پر مبنی مساوات اور انصاف کا ہے۔ وہ پوچھتے ہیں کہ کیا یکساں کوڈ میں بیک وقت ایک شوہر یا ایک بیوی رکھنے کا پابند بنا کر یہ مسئلہ حل کیا جاسکتا ہے یا مرد و عورت کو یہ اختیار دے کر کہ وہ بیک وقت ایک سے زائد شوہر یا بیوی رکھے۔ ان دونوں تصورات میں کسی ایک کو منتخب کر کے سب پر تھوپنا مسئلہ کا کوئی حل نہیں۔ کیونکہ انتھراپولاجیکل سروے آف انڈیا کے مطابق ہندوستان ایک زبردست سماجی، تہذیبی، مذہبی اور لسانی تضادات کا حامل ملک ہے۔

مہیلا آندولن کا سروے حقائق سے دور

اس وقت شریعت اور مسلم پرسنل لاء کے خلاف مہم بعض نام نہاد مسلم خواتین کی تنظیموں کی مدد سے شروع کی گئی ہیں تاکہ یکساں سول کوڈ کا راستہ ہموار کیا جاسکے۔ یہ نام نہاد تنظیمیں اسلام مخالف طاقتوں کے اشارے پر مسلم معاشرے میں انتشار پیدا کرنے کی کوششوں مصروف ہیں۔ شریعت سے ناواقف یہ مٹھی بھر خواتین قرآن کریم اور شریعت اسلامی کی خودساختہ تشریحات کر کے معصوم مسلم خواتین کو گمراہ کررہی ہیں۔ جبکہ 99 فی صد مسلم خواتین شریعت اسلامی پر مکمل یقین اور ایمان رکھتی ہیں۔ اس سلسلہ میں آزاد خیال عورتوں کی تنظیم بھارتیہ مسلم مہیلا اندولن کا بہت شور ہے۔ جس کے مسلم خواتین کے متعلق سروے کو میڈیا اور حکمراں حلقے 'آسمانی صداقت' سمجھ کر سر پر اٹھائے ہوئے ہیں۔

جب مسلم مہیلا اندولن نے 4,500 مسلم خواتین کی سروے رپورٹ کو عام کیا تو میڈیا میں مسلم خواتین کی ہمدردی کا ایک سیلاب سا آ گیا اور مسلم معاشرہ کی یہ تصویر بنادی گئی کہ ہر مسلمان مرد ''ظالم'' اور عورت ''انتہائی مظلوم'' جس کے سر پر تین طلاق کی تلوار ہر وقت لٹکتی ہے۔

تاہم ممتاز ماہر قانون اور حیدرآباد میں واقع نلسار لاء یونیورسٹی (NALSAR University of Law) کے وائس چانسلر پروفیسر فیضان مصطفیٰ نے بھارتیہ مسلم مہیلا اندولن کی سروے رپورٹ کا محاکمہ کر کے اس کے غبارے میں سے ہوا نکال دی ہے۔

انگریزی نیوز پورٹل دی وائر (The Wire) میں شائع مضمون بعنوان "The Debate on Triple Talaq Must be Based on Proper Research and Data" میں فیضان مصطفیٰ نے کہا کہ مہیلا اندولن نے جو رپورٹ سپریم کورٹ میں پیش کی ہے وہ آدھے ادھورے حقائق اور تضادات سے بھری نیز تحقیق کے بنیادی اصولوں پر مبنی نہیں ہے۔ جس پر کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جیسے بطور مثال:

مہیلا اندولن نے مسلم پرسنل لاء پر مطالعہ اور جائزہ کی بنیاد پر دو رپورٹیں تیار کرنے کا

دعوی کیا ہے۔لیکن ان دونوں رپورٹوں کے اعداد وشمار متضاد اور ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں۔پہلی اسٹڈی میں کہا گیا کہ 88 فی صد طلاق یکطرفہ تھیں جبکہ دوسری اسٹڈی میں یہ فی صد 59 ہے۔مگر حکومت اور میڈیا نے ان رپورٹوں کو بغیر سوچے سمجھے لپک لیا۔ پہلی رپورٹ میں طلاق ثلاثہ کے 117 معاملوں کا ذکر ہے لیکن اس میں صرف 88 معاملوں کی تفصیلات ہیں وہ بھی ایک ریاست سے تعلق رکھتے ہیں۔اس کے علاوہ فقط تین کیسوں کا تفصیل سے ذکر ملتا ہے۔دوسری رپورٹ 4710 مسلم خواتین کے سروے پر مشتمل ہے۔

مہیلا اندولن کی سروے رپورٹ کے مطابق مسلمانوں میں طلاق کی شرح سب سے زیادہ یعنی 11.1 فی صد ہے۔تاہم مردم شماری 2011 کی رپورٹ کے مطابق مسلم فرقہ میں طلاق کی شرح محض اعشاریہ 0.56 فی صد جو 2001 کی مردم شماری میں 0.53 فی صد تھی۔اس دروغ گوئی یا تضاد کا مہیلا اندولن کے پاس کیا جواب ہے۔اگر تقابلی تجزیہ کیا جائے تو ہندوؤں میں طلاق اور چھوڑ دینے کو ملا کر طلاق کی شرح زیادہ یعنی اعشاریہ 76 فی صد ہے۔

اسی طرح یہ غلط تاثر پھیلایا گیا ہے کہ مسلم خواتین کو یکطرفہ یا ان کی عدم موجودگی میں فون، ای میل یا ٹیکسٹ میسج کے ذریعہ طلاق دی جاتی ہے۔خود مسلم مہیلا اندولن کے سروے میں 117 کیسوں میں صرف ایک کو بیوی کی عدم موجودگی میں طلاق دینے کا واقعہ درج ہے۔اسی طرح 525 طلاق کیسوں میں مہیلا اندولن کے مطابق اعشاریہ 0.2 فی صد کو فون کے ذریعہ طلاق دی گئی، اور 0.6 فی صد کو ای میل کے توسط سے۔ان میں فقط ایک کیس ایسا ہے جس میں ایس ایم ایس SMS کے ذریعہ طلاق دی گئی یعنی تناسب کے اعتبار سے یہ اعشاریہ 0.19 فی صد ہے۔ان اعداد وشمار سے اس جھوٹے پروپیگنڈا کی قلعی کھل جاتی ہے جو میڈیا اور حکومت کی طرف سے کیا جارہا ہے اور طلاق ثلاثہ کو ایک سنگین مسئلہ کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔

اسی طرح حکومت نے تعدد ازدواج اور طلاق ثلاثہ کے بارے میں سپریم کورٹ میں جو حلف نامہ داخل کیا ہے اس میں یہ بھی غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے کہ آٹھ مسلم ملکوں نے اس پر پابندی عائد کر رکھی ہے جبکہ یہ دعوی حقیقت سے دور اور بالکل غلط ہے۔ ان ملکوں میں تعدد ازدواج پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ملک میں اختیاری یکساں سول کوڈ 1954 کے Special Marriages Act کی شکل میں ابتداء سے رائج عمل ہے۔ اس کے علاوہ جو کوئی شخص مذہب کی بنیاد پر عائلی قوانین سے اپنے معاملات طے کرنا نہیں چاہتا ہے اس کے لئے کئی اور قوانین جیسے 1925 کا Indian Succession Act موجود ہے جس میں شادی، طلاق، نفقہ اور وراثت جیسے تمام معاملات شامل ہیں۔ مگر آر ایس ایس ذہنیت کا کام لایعنی اور جذباتی مسائل کو چھیڑنا ایک محبوب مشغلہ ہے۔ چاہے وہ شاہ بانو مقدمہ کا معاملہ ہو یا سلمان رشدی کی کتاب سٹانک ورسیز پر پابندی لگانے کا۔ وہ ایسے معاملوں کو اچھال کر اپنے بیمار ذہن کو کچھ تسکین فراہم کرتی ہے۔

بی جے پی کے زیر قیادت مرکزی حکومت کو مشہور قانون داں، سپریم کورٹ کے ایک معروف جج اور دانشور آنجہانی جسٹس وی آر کرشنا ائیر کے اس پیغام سے سبق لینا چاہیے۔ انہوں نے انگریزی روزنامہ ہندو میں بعنوان "Unifying Personal Laws" (تمام عائلی قوانین کا انضمام) ایک مضمون لکھا تھا جس کے آخر میں یہ مشورہ دیا تھا "ہر مذہبی اکائی کی شناخت کو تحفظ فراہم کرنا، اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچانا ایک قابل قدر کام ہے۔

(6 ستمبر 2003)

۞۞